اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَ کَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ (الذّٰریٰت:55)

سُبْحَانَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِکْ وَسَلِّمْ

نصیحت سے فائدہ اٹھانا:۔

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا وَ ذَکِّرْ فَاِنَّ الذِّکْرٰی تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِیْنَ (الذریت:55)

آپ ﷺ نصیحت کیجیے، بے شک نصیحت ایمان والوں کو فائدہ دیتی ہے۔

اللہ رب العزت نے انسان کی فطرت ایسی بنائی ہے کہ وہ نصیحت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔گو ظاہر میں نصیحت کو نہ مانے، اگرچہ وہ اپنے خبثِ باطن کی وجہ سے نصیحت کو رد کر دے، مگر اس کا دل تسلیم کر لیتا ہے۔جیسے نبی علیہ الصّلوٰۃ وَالسّلام نے کفار کو دین پر آنے کے لیے نصیحت فرمائی تو ظاہر میں انہوں نے انکار کیا، لیکن ان کے دل تسلیم کر گئے۔قرآن مجید نے تصریح کر دی کہ یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ (البقرہ:146) (وہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں) دل تو ان کو تسلیم کرتے تھے مگر حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِھِمْ (البقرہ:109) (ان کے دل میں حسد تھا) وہ اس حس کی وجہ سے اپنی ضد پر جمے رہے۔تو نصیحت انسان کو فائدہ دیتی ہے خواہ وہ دیوار پر ہی لکھی ہوئی کیوں نہ ہو۔

جو سلیم الطبع شخص ہوتا ہے وہ نصیحت کو سن کر اس کو قبول کر لیتا ہے اور بات مان لیتا ہے، اور جو بد باطن انسان ہوتا ہے اس کو اگر نصیحت کی جائے تو وہ الٹا غصہ کرتا ہے۔

میں اسے سمجھوں ہوں دشمن، جو مجھے سمجھائے ہے

اسے اگر کوئی اچھی بات سمجھائیں تو اسے برا لگتا ہے۔ یہ اس کے اندر کی خباثت کی وجہ سے ہے۔ سلیم الفطرت انسان ہمیشہ نصیحت سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

کون کس کو نصیحت کرے؟

قرآن مجید کی ایک سورت ''لقمان'' ہے۔ لقمانؑ اللہ کے اولیا میں سے ایک ولی گزرے ہیں۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی۔ ان کا یہ نصیحت کرنا اللہ کو اتنا پسند آیا کہ قرآن مجید کی ایک سورت کا نام بھی لقمان رکھا اور ان کی نصیحتوں کو قرآن مجید کا حصہ بھی بنا دیا گیا، یہ عمل اللہ تعالیٰ کو اتنا پسند ہے۔ اس لیے یہ ذمہ داری ہے کہ:

بڑا، چھوٹے کو نصیحت کرے۔

ماں باپ، اولاد کو نصیحت کریں۔

خاوند، بیوی کو نصیحت کرے۔

استاد، شاگردوں کو نصیحت کرے۔

ہمارے بزرگوں نے کہا:

''جس گھر کا مرد اپنے اہل خانہ کو نصیحت نہیں کرتا، اس گھر کے مَردوں میں اور مُردوں میں کوئی فرق نہیں''

اس ذمہ داری کو پورا کرنا چاہیے۔

نصیحت اور تنقید:

نصیحت الگ چیز ہے اور تنقید الگ چیز ہے۔ ہم لوگ تنقید زیادہ کرتے ہیں۔ نصیحت نہیں کرتے۔ نصیحت میں دردِ دل ہوتا ہے، اخلاص ہوتا ہے، محبّت ہوتی ہے، اپنائیت ہوتی ہے۔ اور تنقید تو دشمن بھی کرتے ہیں۔ لوگ تنقید کو پسند نہیں کرتے البتہ نصیحت کو پسند کرتے ہیں۔ انبیائے کرام اپنی قوم کو نصیحت کیا

کرتے تھے۔

وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِيْنٌ (الاعراف:68) اور بے شک میں تمہارے لیے نصیحت کرنے والا اور امانت دار ہوں۔

دیکھا، نصیحت فرماتے تھے۔ چنانچہ جب انسان درددل کے ساتھ بات کرے تو وہ فائدہ مند ثابت ہوتی ہے،

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے پر نہیں ، طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کی، آج انسان اس کو قرآن مجید میں پڑھ سکتا ہے۔ اس امت میں بھی یہ سلسلہ چلتا رہا اور اکابر اپنے اصاغر کو نصیحتیں کرتے رہے۔

امام جعفر صادقؒ کی نصیحت:

امام جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مجھے میرے والد امام باقر رحمۃ اللہ علیہ نے نصیحت فرمائی: بیٹا! پانچ طرح کے لوگوں سے دوستی مت کرنا، اگر کہیں راستہ میں چلنے کا موقع آئے تو ان کے ساتھ راستے میں بھی نہ چلنا۔ ایسے لوگوں کے ساتھ اتنی تھوڑی دیر کا ساتھ بھی اچھا نہیں ہوتا۔ فرماتے ہیں کہ میں نے پوچھا: جی وہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا:

(1) بے وقوف سے دوستی نہ کرنا۔ اس لیے کہ بے وقوف تمہیں فائدہ پہنچانا چاہے گا لیکن بیوقوفی کی وجہ سے نقصان پہنچا بیٹھے گا۔ اسی لیے تو کہتے ہیں کہ بے وقوف دوست سے عقلمند دشمن بہتر ہوتا ہے۔

(2) جھوٹے شخص سے دوستی نہ کرنا، کیوں؟ اس لیے کہ وہ دور کو قریب اور قریب کو دور ظاہر کرے گا۔ تجھے حقیقت کا پتہ نہیں چل سکے گا۔

(3) فاسق آدمی سے دوستی نہ کرنا۔ اس لیے کہ جو اللہ کا نافرمان ہو اور اللہ سے بے وفائی کرتا ہو وہ تجھ سے وفا کیسے کر سکے گا۔ میں نے پوچھا: جی فاسق سے دوستی کیوں نہ کریں؟ فرمایا: ''وہ تجھے ایک روٹی یا اس سے کم کے بدلے میں بیچ دے گا''۔ میں نے پھر پوچھا کہ ایک روٹی سے کم کا کیا معنی ہے؟ فرمایا کہ وہ ایک روٹی کی امید پر بیچ دے گا۔ اور یہ عاجز کہتا ہے کہ بیچ دے گا اور بھاؤ کا پتہ بھی نہیں چلنے دے گا، اس لیے کہ فاسق و فاجر جو ہوا، اس پر انسان کیا اعتماد کر سکتا ہے۔

(4) بخیل سے دوستی نہ کرنا، کیوں؟ اس لیے کہ وہ تمہیں ایسے وقت میں دھوکہ دے گا جب تمہیں اس کی بہت ضرورت ہوگی۔ اس وقت تمہیں جھنڈی دکھا دے گا۔

(5) اور قطع رحمی کرنے والے سے دوستی نہ کرنا جو رشتے ناتے توڑ دیتا ہو۔ ذرا سی بات ہوئی تو اس سے بولنا چھوڑ دیا، اس سے بولنا چھوڑ دیا۔ قریبی رشتوں کا خیال بھی نہ رکھا کیوں؟ اس سے دوستی کیوں نہ کروں؟ فرمایا: اس لیے کہ میں نے قرآن مجید میں تین جگہ پر ایسے بندے پر لعنت ہوتے دیکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ایسے بندے کو ناپسند کرتا ہے۔

امام اعظم ابوحنیفہؒ کی نصیحت:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے کچھ وصیّتیں فرمائیں۔ انہیں ''وصایا امام اِعظم'' کہا جاتا ہے۔ ان نصیحتوں میں انہوں نے اپنے بیٹے حماد سے کہا، بیٹا! میں نے پانچ لاکھ احادیث میں سے تمہارے لئے پانچ حدیثوں کو منتخب کیا ہے۔ اگر تم ان پانچ حدیثوں پر عمل کر لو گے تو گویا پورے دین پر عمل ہو جائے گا۔ یوں سمجھیں کہ انہوں نے اپنی پوری زندگی کا نچوڑ بتا دیا۔ فرمایا:

(1) پہلی حدیث اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ

(2) دوسری حدیث مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُهُ مَالَا یَعْنِیْهِ

(3) تیسری حدیث لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ

(4) چوتھی حدیث اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَ بَیْنَهُمَا مُشْتَبِهَاتٌ

(5) پانچویں حدیث اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ یَدِهٖ

پہلی حدیث مبارکہ:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ یہ وصیت تصحیح نیت کے بارے میں ہے۔

تصحیح نیت:

نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہے۔

یہ حدیث مبارکہ بخاری شریف کی پہلی حدیث ہے۔امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ سے اپنی صحیح کا آغاز فرمایا وجہ کیا تھی؟ اس لیے کہ جب اعمال کا دارو مدار ہی نیت پر ہے تو نیت کا ٹھیک ہونا بہت ضروری ہے۔اگر نیت ٹھیک نہیں ہوگی تو عمل ہی نہیں ہوگا۔ یہ نیت کوٹھیک کرنا بھی سیکھنا پڑتا ہے۔ایک بزرگ فرماتے ہیں کہ میں آٹھ سال تک اپنے شیخ کی صحبت میں رہا اوران آٹھ سالوں میں، میں نے نیت کوٹھیک کرنا سیکھا، یہ اتنا مشکل کام ہے۔ جبکہ ہم اسے آسان سمجھ رہے ہوتے ہیں۔ہمیں ہر ہر کام میں اللہ تعالیٰ کی رضا کی نیت کرنی چاہیے۔

ایک بزرگ اپنے کسی شاگرد کی دعوت پر اس کے گھر گئے، اس نے نیا گھر بنایا تھا۔انہوں نے اپنے شاگرد سے پوچھا: یہ تم نے اپنے کمرے میں کیا بنایا ہوا ہے؟ اس نے کہا: روشندان۔ پوچھا کہ اس کا

مقصد کیا ہے؟ کہنے لگا: جی اس سے ہوا اور روشنی آئے گی۔اس وقت ان بزرگوں نے اس کی اصلاح فرمائی اور کہا: دیکھو! آپ کو نیت تو یہ کرنی چاہیے تھی کہ اس روشن دان سے مجھے اذان کی آواز آیا کرے گی اور مجھے نماز کے وقت کا پتہ چلے گا جبکہ روشنی اور ہوا تو تمہیں مفت میں مل ہی جانی تھی اب روشن دان بناتے وقت یہ نیت کی جائے کہ اس میں سے اذان کی آواز آئے گی۔اگر یہ نیت کریں گے تو اس عمل پر بھی عبادت کا ثواب ملے گا۔

نیت کے فرق سے اجر سے محرومی:

بعض اوقات انسان عمل بھی کرتا ہے مگر نیت کے فرق کی وجہ سے اجر وثواب سے محروم رہتا ہے۔مثال کے طور پر:

☆ اگر کسی آدمی نے اپنا وزن کم کرنا ہے اور وہ سارا دن کچھ کھاتا ہے نہ پیتا ہے، نہ بیوی کے قریب ہوتا ہے اور سحری سے لے کر مغرب تک وہ ان کاموں سے رکا رہتا ہے تو اس بندے کو روزہ دار نہیں کہیں گے۔گو اس نے روزے کے اعمال پورے کر دیے مگر چونکہ روزے کی نیت نہیں کی تھی اس لیے روزہ دار نہ بنا۔

☆ ایک شخص ویرانے میں نماز پڑھنا چاہتا ہے۔اسے قبلے کا پتہ نہیں اور نہ ہی کوئی بتانے والا قریب ہے۔شریعت کا حکم ہے کہ ایسے موقع پر وہ اٹکل سے کام لے،تحرّی کرے، قیافہ لگائے کہ قبلہ کدھر ہوسکتا ہے۔اب اس کا گمان غالب یہ ہوا کہ قبلہ سامنے کی طرف ہے، مسافر تھا، اسے دو رکعت پڑھنی تھی لہٰذا اسی طرف منہ کر کے پڑھنی شروع کر دی۔ایک رکعت پڑھنے کے بعد اس کے دل میں گمان ہوا کہ قبلہ تو پیچھے کی طرف تھا۔تو فقہا نے لکھا ہے کہ اگر گمان غالب یہی ہو گیا کہ قبلہ پیچھے کی طرف ہے تو دوسری رکعت پیچھے کی طرف رخ کر کے پڑھ لے، اس کی نماز ادا ہو جائے گی۔اب ایک اور صورت

دیکھیے ! ایک آدمی اکیلا تھا، اس نے جوتے اتارے، سامان رکھا اور نماز پڑھنا شروع کر دی۔ پہلی رکعت پڑھنے کے بعد خیال آیا کہ سامان پیچھے پڑا ہوا ہے، کوئی چور اٹھا کر ہی نہ لے جائے۔ چنانچہ اس نے رخ موڑ کر ادھر نماز پڑھنی شروع کر دی۔ کیا اس صورت میں اس کی نماز ہو جائے گی؟ اس کی نماز نہیں ہو گی۔ کوئی بندہ سوال کر سکتا ہے کہ پہلے آدمی نے بھی تو پہلی رکعت سامنے کی طرف رخ کر کے پڑھی تھی اور دوسری رکعت پیچھے کی طرف منہ کر کے پڑھی تھی اور اس نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ظاہر میں عمل تو دونوں نے ایک جیسا کیا مگر نیت کا فرق تھا۔ اس لیے دوسرے بندے کی نماز نہیں ہو گی۔

فعل اور عمل میں فرق:

یہاں اِنَّمَا کا لفظ حصر کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس کا معنی ہے ”صرف اور صرف“ یعنی مبتدا کو خبر میں محصور کرنا۔ اور آگے فرمایا: اعمال یہاں افعال نہیں کہا۔ کیونکہ فعل اور عمل میں فرق ہوتا ہے۔ فعل وہ کام ہوتا ہے جو بغیر نیت کے ہو۔ یہ جانور بھی کرتے ہیں۔ اعمال کا لفظ انسان کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ ذی شعور ہوتا ہے۔

جنت کے درجے اعمال کی بنیاد پر:

اس لیے قرآن مجید میں ایمان اور عمل صالح کا تذکرہ ہے۔ قرآن مجید میں آپ کو جا بجا اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ (العصر: 3) کے الفاظ ملیں گے۔ کیونکہ ایمان جنت میں جانے کی کنجی ہے۔ اگر ایمان جنت میں جانے کی کنجی ہے تو پھر اعمال کی اہمیت کیا ہو گی؟ علما نے لکھا ہے کہ کنجی کے دندانے ہوتے ہیں۔ جب تک سارے دندانے ٹھیک نہ ہوں، اس وقت تک کنجی لگانے کے باوجود انسان تالا نہیں کھول سکتا۔ لہٰذا

اعمال صالح کنجی کے دندانے کی مانند ہیں۔تو ایمان بھی ہو اور اعمال صالح بھی ہوں، تب فائدہ ہو گا۔ جنت کے درجات تو اعمال پر ہی ملیں گے۔اللہ کریم نے فرمایا۔

وَ لِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا (الانعام:132) اور ہر ایک کے لیے درجات اس کے عملوں کے بقدر ہوں گے۔

ہمیں زیادہ سے زیادہ اعمال کرنے چاہییں کیونکہ قیامت کے دن انسان کو اس کے اعمال ہی کام آئیں گے۔

مناظرِ قیامت کی تفصیل:

ایک حدیثِ پاک عجیب مضامین پر مشتمل ہے۔ یہ حدیث مبارکہ حضرت سعید بن حسیب رضی اللہ عنہ نے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔فرماتے ہیں کہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ایک مرتبہ صبح کے وقت صحابہ کرام کو فرمایا کہ میں نے رات کو خواب میں عجیب حالات دیکھے ہیں چونکہ انبیا کے خواب سچے ہوتے ہیں اس لیے گویا اللہ تعالیٰ نے انہیں مناظر قیامت کی تفصیل دکھا دی نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

☆ میں نے دیکھا کہ ملک الموت میرے ایک امتی کی روح قبض کرنے آیا تو ماں باپ کے ساتھ اس کا حسنِ سلوک اور ان کی خدمت درمیان میں آڑے آگئے اور ملک الموت کو انہوں نے روح قبض کرنے سے روک دیا۔کیا مطلب؟ کہ ماں باپ کے ساتھ حسنِ سلوک سے اللہ تعالیٰ بندے کی عمر کو بڑھا دیتے ہیں۔جیسے صدقہ کرنے سے عمر بڑھ جاتی ہے ایسے ہی ماں باپ کی خدمت کرنے سے بھی اللہ تعالیٰ انسان کی عمر میں اضافہ فرما دیتے ہیں۔

☆ میں نے دیکھا کہ میرے ایک امتی کو شیاطین نے وحشت زدہ کرنے کی کوشش کی، اللہ کی یاد اس کے سامنے آ گئی اور اُس ذکر اللہ نے اسے شیطان کے شکنجے سے چھڑوا لیا۔ گویا اگر ہم کثرت سے اللہ کا ذکر کریں گے تو اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ہمیں شیطان کے پنجے سے محفوظ فرما دیں گے۔

☆ میں نے دیکھا کہ میرے ایک امتی پر عذاب قبر چھا رہا ہے۔ اس کا وضو کرنا سامنے آیا اور اس کو عذاب قبر سے بچا لیا۔ یعنی وضو کو تسلّی کے ساتھ، اہتمام کے ساتھ، مستحبات کی رعایت کرتے ہوئے کرنے سے آدمی عذاب قبر سے محفوظ رہے گا۔

☆ میں نے اپنے ایک امتی کو پیاس کی شدت کے ساتھ ہانپتے ہوئے دیکھا۔ جب وہ حوض کوثر کے پاس آتا تھا تو اسے پانی پینے سے روک دیا جاتا تھا۔ ایسے وقت میں اس کے روزے سامنے آئے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے حوض کوثر پر لائے اور اس کو پانی سے سیراب کر دیا۔

☆ میں نے دیکھا کہ ایک مجلس میں انبیا علیہم السّلام کے حلقے لگے ہوئے ہیں۔ میرا ایک امتی ان میں سے جس حلقے کی طرف جاتا ہے، وہاں سے اسے واپس دھکیل دیا جاتا ہے۔ ایک حلقے کی طرف گیا اور وہاں سے رد کر دیا گیا، پھر دوسرے حلقے کی طرف، پھر تیسرے حلقے کی طرف، کہیں بھی بیٹھنے کی اجازت نہیں ملتی۔ اس وقت اس شخص کا غسلِ جنابت سامنے آیا اور اس کو میرے حضور لا کر میرے پہلو میں بٹھا دیا اس سے پتہ چلا کہ انسان پر جب غسل فرض ہوتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اس میں دیر نہ کرے اور احکام شریعت کے مطابق ٹھیک انداز سے غسل کرنا چاہیے۔ بعض مرد اور عورتیں غسل کرنے میں دیر کر دیتے ہیں۔ بھئی موت کا کیا بھروسہ؟ ہمارے اکابرین کا یہ طریقہ تھا کہ جیسے ہی غسل فرض ہوتا تھا فوراً ہی کر لیتے تھے اور آج اس غسل کی وجہ سے کئی مرتبہ نمازیں ہی فوت ہو جاتی ہیں۔

☆ میں نے دیکھا کہ میرے ایک امتی کو اندھیروں نے ہر طرف سے گھیر لیا دائیں طرف سے، بائیں

طرف سے، آگے سے، پیچھے سے، اوپر سے، نیچے سے، اور وہ ان اندھیروں میں مارا مارا بھٹکتا پھر رہا تھا۔ پھر اس کا حج اور عمرہ اس کے سامنے آئے اور انہوں نے اس کو ان ظلمتوں سے نکال کر روشنی میں پہنچا دیا۔

☆ پھر میں نے دیکھا کہ میرا ایک امتی لوگوں سے بات کرنا چاہتا ہے مگر کوئی اس سے بات کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ ایسے موقع پر اس کی صلہ رحمی سامنے آئی......صلہ رحمی کسے کہتے ہیں؟ لوگوں سے دین کی نسبت سے تعلّق جوڑنا اور اپنے خونی رشتہ داروں کا زیادہ خیال رکھنا، صلہ رحمی کہلاتا ہے......فرمایا: صلہ رحمی سامنے آئی اور کہنے لگی، اے مسلمانوں کی جماعت! یہ مجھے جوڑتا تھا اور ملاتا تھا۔ یہ بات سننے کے بعد سب لوگوں نے اس سے مصافحہ کیا۔ اس سے بولنے لگے اور وہ آدمی ان کی جماعت میں شامل ہو گیا۔

☆ پھر فرمایا کہ میں نے دیکھا کہ میرے ایک امتی کے چہرے اور جسم کو آگ کے شعلوں نے جلا رکھا ہے، ایسے وقت میں اس کا صدقہ خیرات سامنے آئے اور اس کے سامنے سائبان کی طرح رکاوٹ بن گئے۔

☆ میں نے ایک امتی کو دیکھا کہ دوزخ کے فرشتوں نے اس کو پکڑ لیا۔ ایسے وقت میں اس کا امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا عمل سامنے آیا اور اسے دوزخ سے نکال کر رحمت کے فرشتوں کے پاس پہنچا دیا۔

☆ میں نے دیکھا کہ میدانِ حشر میں میرا امتی گھٹنوں کے بل گر رہا ہے، جیسے بندہ آگے گرتا ہے۔ اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان ایک پردہ حائل ہے۔ ایسی حالت میں اس شخص کا حسنِ خلق سامنے آیا اور اس بندے کا ہاتھ پکڑ کر اپنے رب کے حضور پہنچا دیا۔ یہ اچھے اخلاق کتنے ضروری ہیں کہ ان کی وجہ سے اس کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا حجاب ختم ہو جاتا ہے۔

☆ میں نے دیکھا کہ میرے ایک امتی کا اعمال نامہ اس کے بائیں ہاتھ میں دیا جا رہا ہے۔ پھر اس شخص کا خوفِ خدا سامنے آیا اور اعمال نامے کو بائیں ہاتھ سے لے کر اس کے دائیں ہاتھ میں تھما دیا۔

☆ میں نے دیکھا کہ ایک شخص جہنّم کے کنارے پر کھڑا کانپ رہا ہے، قریب تھا کہ جہنّم کے اندر گر جاتا۔ اس وقت اس کا اللہ کے خوف سے رونا اور کانپنا سامنے آیا اور اس شخص کو جہنّم میں گرنے سے بچا لیا۔

☆ میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ دوزخ میں گر رہا ہے۔ اس وقت اللہ کے خوف سے اس کا آنسو بہانا سامنے آیا اور اس بندے کو دوزخ سے نکال لیا۔

☆ میں نے دیکھا کہ میرے ایک امتی کا نیکی کا پلڑا ہلکا ہو رہا ہے۔ اس وقت اس بندے کے معصوم بچے جو بچپن میں فوت ہو گئے تھے، سامنے آئے اور اس کے نیکی والے میزان کے پلڑے کو بھاری کر دیا۔

☆ میں نے دیکھا کہ میرا ایک امتی پلِ صراط پر اس طرح لڑکھڑا رہا ہے جس طرح سخت آندھی میں کھجور کی ٹہنی ہلتی ہے۔ اس وقت اس شخص کا اللہ سے نیک گمان رکھنا سامنے آیا اور اس نے اس کے قدموں کو اچھی طرح جما دیا۔

☆ میں نے دیکھا کہ میرا ایک امتی پلِ صراط پر کانپتے ہوئے کبھی اٹھتا ہے، کبھی گرتا ہے۔ اس وقت اس شخص کی نماز سامنے آئی اور نماز نے اس کو پل صراط سے پار کروا دیا۔

☆ میں دیکھا کہ میرا ایک امتی جنت کے دروازے پر جاتا ہے۔ تو سب دروازوں کو بند پاتا ہے۔ اس وقت اس شخص کا کلمہءشہادت پڑھنا سامنے آیا اور اس کلمہ شہادت نے جنت کے تمام دروازوں کو اس کے لیے کھول دیا۔

اس حدیث مبارکہ سے پتہ چلا کہ قیامت کے دن اعمال کام آئیں گے۔ ان اعمال کا دارومدار ہماری

نیت پر ہے۔اگر نیت ٹھیک نہیں ہوگی تو اعمال کام نہیں آئیں گے۔

بدنیتی کا وبال:

ایک حدیث پاک میں ہے کہ قیامت کے دن ایک شہید کو،ایک عالم کو اور ایک سخی کو بلایا جائے گا۔ان تینوں کا معاملہ یہ ہوگا کہ ان کی نیتیں ٹھیک نہیں ہونگی۔اللہ تعالیٰ فرشتوں کو فرمائیں گے ان کو اوندھے منہ جہنّم میں ڈال دیا جائے۔سوچنے کی بات ہے کہ اگر ایک شہید،ایک عالم اور ایک سخی نیت ٹھیک نہ ہونے کی وجہ سے جہنّم میں جائیں گے تو پھر ہم لوگوں کا کیا بنے گا۔اس سلسلہ میں فکر مند ہونے کی ضرورت ہے۔

ایک عمل میں متعدد نیکیوں کو جمع کرنا:

ایک حدیث پاک میں یہ بھی آیا ہے

اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّۃِ اعمال کا دارومدار نیت پر ہے۔

علما نے یہاں ایک مسئلہ لکھا ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک نیت سے زیادہ اعمال بھی ہو سکتے ہیں۔اس لیے کہ عمل کرنے والے اعضا زیادہ ہوتے ہیں اور نیت تو دل کا کام ہے اور وہ ایک ہے۔چنانچہ جتنے بھی نوافل ہیں اگر ان میں انسان زیادہ نیتوں کو شامل کر لے تو اس کا اجر بڑھ جائے گا۔مثلاً: آپ صبح کے وقت دفتر جانے کے لیے تیار ہوئے،وضو کر کے آپ سوچتے ہیں کہ میں دو رکعت تحیۃ الوضو پڑھتا ہوں،یہی دو رکعت اشراق کی نماز پڑھتا ہوں،میں دو رکعت صلوٰۃ الحاجات پڑھتا ہوں،میں نے شکرانے کی نیت سے بھی دو رکعت نماز پڑھنی ہے،یوں دو دو رکعت پڑھیں گے تو زیادہ وقت لگے گا۔اگر صرف دو رکعت ہی پڑھی اور اس میں ان تمام نیتوں کو بھی شامل کر لیں تو اللہ تعالیٰ سب کا

ثواب عطا فرما دیں گے۔

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ہم جو کپڑے پہنتے ہیں، اس کپڑے کے پہننے میں انسان چالیس نیتوں کو جمع کر سکتا ہے۔

مثال کے طور پر:

☆اس میں اتباع سنت ہے۔

☆اس سے میرا ستر چھپتا ہے۔

☆اس سے میری شخصیت کو جمال ملتا ہے۔

☆میں اپنے جسم کو سردی گرمی سے بچاتا ہوں۔

علما فرماتے ہیں کہ اگر کوئی آدمی خوشبو استعمال کرے تو وہ بھی مختلف نیتیں کر سکتا ہے۔مثلاً:

☆خوشبو لگانا سنت ہے۔

☆اس سے بدن سے نکلنے والی بدبو ختم ہوتی ہے۔

☆میرے دماغ کو تقویت ملتی ہے۔

☆اس کی مہک سے ساتھ بیٹھنے والا بھی راحت محسوس کرے گا۔

علما نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر کوئی آدمی مسجد میں کچھ وقت کے لیے بیٹھتا ہے تو وہ بھی ایک وقت میں کئی نیتیں اکٹھی کر سکتا ہے۔اس کی بھی کئی مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں۔

☆وہ اتباع سنت کی نیت کر سکتا ہے۔

☆وہ نماز کے انتظار کی نیت کر سکتا ہے۔

☆وہ تلاوت کرنے کی نیت کر سکتا ہے۔

☆ وہ ذکرُ اللہ کی نیت کرسکتا ہے۔

☆ دعا کرنے کی نیت کرسکتا ہے۔

☆ اپنے آپ کو لایعنی باتوں سے اور لایعنی حرکات سے محفوظ کرنے کی نیت کرسکتا ہے۔

☆ مسلمان بھائیوں کی زیارت کی نیت کرسکتا ہے۔

☆ مسجد آباد رکھنے کی نیت کرسکتا ہے۔

☆ مسجد کی دیکھ بھال کی نیت کرسکتا ہے۔

☆ مسجد کی صفائی کی نیت کرسکتا ہے۔

☆ وہ مسجد میں استفادہ اور افادہ دونوں کی نیت کرسکتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ایک عابد کسی عالم کے درجے تک نہیں پہنچ سکتا۔ عالم تو ایک ہی عمل میں کتنی نیتوں کو جمع کر کے اتنا ثواب کمائے گا جبکہ عابد ایک عمل میں صرف ایک ہی کی نیت کرتا ہے۔

اعمال کا دارومدار کس پر؟

اس حدیث مبارکہ میں فرمایا گیا ہے کہ اعمال کا دارو مدار نیتوں پر ہے۔ اب اس ''دارومدار'' پر بات کرتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ

کیا اعمال کی تصحیح کا دارومدا نیت پر ہے؟ یا

اعمال کے ثواب کا دارومدار نیت پر ہے؟ یا

اعمال کی قبولیت کا دارومدار نیت پر ہے؟

امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ اعمال کے ثواب کا دارو مدار نیت پر ہے۔ اگر ایک آدمی کو کسی نے تالاب میں دھکا دے دیا۔ وہ فرماتے ہیں کہ چونکہ وضو والے سارے کام ہو گئے اس لیے اس کا وضو تو ہو

گیا لیکن اسے وضو کرنے کا ثواب نہیں ملے گا۔ اب یہاں فقہا کا آپس میں اختلافِ رائے ہو گیا۔

فقہا کے اختلاف میں امت کی آسانی:

بعض لوگ اس بات پر بڑے حیران ہوتے ہیں کہ جی فقہا کا اختلاف آخر ہے کیوں؟ یہ نہ ہوتا تو بات ہی ختم ہو جاتی۔ علماء نے لکھا ہے کہ فقہاء کا اختلاف امت کے لیے وسعت کا سبب بنا دیا ہے۔ اس سے شریعت نے گنجائش رکھ دی۔ اگر ایک ہی بات ہوتی تو سب کا اس ایک بات کو اپنے ماحول کے مطابق اپنانا مشکل ہو جاتا۔ اگر اللہ نے ہمیں وسعت دیدی ہے تو ہم اس وسعت کو برا کیوں سمجھیں۔ ایک مثال سے بات زیادہ واضح ہو جائے گی۔

ایک شخص نے ایک مرتبہ یہ قسم کھالی کہ میں ایک ''حین'' تک اپنی بیوی سے گفتگو نہیں کروں گا۔...... ''حین'' عربی زبان کا لفظ ہے۔ اس کی جمع ''احیان'' آتی ہے اور جمعُ الجمع ''احایین'' آتی ہے۔ حین کا معنی ہے ''مدت''۔ یہ مدت زیادہ بھی ہو سکتی ہے اور کم بھی ہو سکتی ہے...... اب وہ قسم کھا بیٹھا کہ میں ایک حین تک اپنی بیوی سے گفتگو نہیں کروں گا۔ بعد میں اسے فکر لاحق ہوئی کہ میں کیا کروں؟

چنانچہ وہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا: جی میں یہ قسم کھا بیٹھا ہوں کہ میں اپنی بیوی سے ایک حین تک گفتگو نہیں کروں گا، اب آپ بتائیں کہ میں گفتگو کب کر سکتا ہوں؟ انہوں نے کہا: تم قیامت تک اس سے گفتگو نہیں کر سکتے۔ اس نے پوچھا، آپ کے اس جواب کی کیا دلیل ہے؟ فرمایا: قرآن مجید کی آیت ہے۔

وَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّ مَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ (البقرہ:36)

اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا ہے اور ایک معین مدت تک نفع اٹھانا ہے۔

یہاں حین قیامت کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

وہ شخص سیدنا عمر ابن الخطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آ گیا۔ پوچھا: حضرت! میں اپنی بیوی کے معاملہ میں یہ قسم کھا بیٹھا ہوں کہ ایک حین تک گفتگو نہیں کروں گا، اب میں کب گفتگو کر سکتا ہوں؟ فرمایا: چالیس سال بعد۔ اس نے پوچھا: حضرت! اس کی کوئی دلیل بھی ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا۔

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًا (الدھر:1)

بے شک انسان پر زمانے میں ایک ایسا وقت بھی آچکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذکر چیز نہ تھا

مفسّرین نے یہاں حین کا مطلب چالیس سال لکھا ہے۔

اس کے بعد وہ شخص سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، عرض کیا کہ حضور! قسم کھا بیٹھا ہوں کہ بیوی سے ایک حین تک گفتگو نہیں کروں گا۔ اب آپ بتائیے کہ میں کب گفتگو کر سکتا ہوں؟ انہوں نے فرمایا کہ ایک سال تک بیوی سے گفتگو نہیں کر سکتے۔ اس نے کہا: جی کوئی دلیل بھی ہے؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں۔

تُؤْتِيْٓ اُكُلَهَا كُلَّ حِيْنٍۢ بِاِذْنِ رَبِّهَا (ابراھیم:25) اپنے پروردگار کے حکم سے ہر وقت پھل لاتا ہو۔

اب درخت سال میں ایک مرتبہ پھل دیتا ہے، یہاں چونکہ حین کا لفظ استعمال ہوا ہے، لہٰذا اس سے مراد ایک سال کی مدت ہے۔

وہ شخص حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس آیا۔ عرض کیا کہ حضرت! قسم کھا بیٹھا ہوں کہ بیوی سے ایک حین تک گفتگو نہیں کروں گا۔ آپ بتائیے کہ میں کب تک اس سے نہیں بول سکتا؟ انہوں نے جواب دیا: ایک دن یا ایک رات۔ اس نے کہا کہ حضرت! اس کی کیا دلیل ہے؟ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے پاک کلام میں

ارشاد فرماتے ہیں:

فَسُبْحٰنَ اللّٰهِ حِيْنَ تُمْسُوْنَ وَحِيْنَ تُصْبِحُوْنَ ○ وَ لَهُ الْحَمْدُ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ عَشِيًّا وَّ حِيْنَ تُظْهِرُوْنَ○(الروم:18-17)

تم اللہ کی تسبیح بیان کیا کرو شام اور صبح کے وقت۔ کیونکہ تمام آسمانوں اور زمینوں میں اسی کی حمد ہوتی ہے۔ اور زوال کے بعد اور ظہر کے وقت بھی تسبیح کیا کرو۔

یہاں حین کا لفظ ایک دن یا ایک رات کے لیے استعمال ہوا ہے۔

اسی کو فقہاء کا اختلاف کہتے ہیں کہ سب نے منشائے خداوندی کو سامنے رکھا، مگر ایک نے ایک معنی لیا، دوسرے نے دوسرا لیا، تیسرے نے تیسرا لیا اور چوتھے نے چوتھا لیا۔ یوں اللہ رب العزت نے ہمارے لیے گنجائش رکھ دی۔

عبداللہ بن مبارکؒ کا ارشاد گرامی:

ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی نیتوں کو اچھا کرنے کی محنت کریں۔ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے تھے:

رُبَّ عَمَلٍ صَغِيْرٍ تُعَظِّمُهُ النِّيَّةِ بعض اوقات عمل چھوٹا ہوتا ہے، نیت اس عمل کو بڑا کر دیتی ہے۔

وَ رُبَّ عَمَلٍ كَبِيْرٍ تُصَغِّرُهُ النِّيَّةُ اور بعض اوقات عمل بہت بڑا ہوتا ہے، نیت اس عمل کے اجر و ثواب کو تھوڑا کر دیتی ہے۔

یہ کرشمے نیت کے ہیں۔

نیت کی تین صورتیں:

عمل کی نیت کی تین صورتیں ہوتی ہیں۔

(1) حسنِ نیت سے عمل کرنا۔

(2) نیتِ بد سے عمل کرنا۔

(3) بغیر نیت کے عمل کرنا۔

علما نے لکھا ہے کہ اس امت کو نیتِ بد کے ساتھ عمل کرنے سے اتنا نقصان نہیں پہنچا جتنا کہ بلا نیت کے عمل کرنے سے نقصان پہنچا ہے۔ ہم اپنی زندگی پر غور کریں کہ ہم واقعی بہت سے کام بے نیت ہی کر لیتے ہیں۔ اگر انہی کاموں کو نیت کے ساتھ کریں تو وہ ثواب بن سکتا ہے۔ اس لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی عادت کو عبادت بنائیں۔

اعمال کو اجر کے قابل کیسے بنائیں:

ہم اپنے اعمال کو کس طرح اجر کے قابل بنا سکتے ہیں؟ اس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر:

☆ ہر وہ بندہ جس کے ماں باپ زندہ ہیں، وہ دن میں درجنوں مرتبہ ماں اور باپ کے چہروں کو دیکھتا ہے، لیکن کیا دیکھتے ہوئے اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ شریعت نے کہا ہے کہ ماں اور باپ کے چہرے کو محبّت اور عقیدت کی نظر سے دیکھنے پر حج یا عمرے کا ثواب ملتا ہے؟ صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا: اے اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم! اگر کوئی بار بار دیکھے تو؟ فرمایا: جتنی بار دیکھے گا اتنی بار حج یا عمرے کا ثواب پائے گا۔ ہم تو ایک دن میں درجنوں حج اور عمروں کا ثواب لے سکتے ہیں۔ کتنے نوجوان ہیں جو اپنے ماں باپ کے چہرے پر نظر ڈالتے ہیں کہ یہ میرے ماں باپ ہیں اور اللہ نے ان کو یہ مقام عطا فرمایا ہے۔

☆ ہر خاوند بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور ہر بیوی خاوند کو دیکھ کر مسکراتی ہے۔ مگر اس مسکرانے میں خواہش کا پہلو غالب ہوتا ہے۔ شریعت نے کہا کہ جب کوئی خاوند بیوی کو دیکھ کر مسکراتا ہے اور بیوی خاوند کو دیکھ کر مسکراتی ہے تو اللہ رب العزت ان دونوں کو دیکھ کر مسکراتے ہیں اب اس نیت سے دیکھ کر کون مسکراتا

ہے؟ تو معلوم ہوا کہ عمل تو ہے مگر نیت نہیں ہے۔

☆ بہت سے لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ رات کو کپڑے بدل کر سوتے ہیں۔ تہبند باندھ لیتے ہیں۔ یہ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی سنت مبارکہ ہے کہ آپ ﷺ رات کو سوتے وقت کپڑے بدل کر سوتے تھے اب آپ بتائیں کہ کتنے لوگ ایسے ہیں جو یہ نیت کرتے ہوں کہ میں سنت کی نیت سے کپڑے بدل رہا ہوں۔ معلوم ہوا کہ عادت ہے مگر عبادت نہیں۔ ہمیں اسی بات سے زیادہ نقصان ہوا ہے کہ بغیر نیت کے کام کرتے ہیں۔ حسنِ نیت کے ساتھ اپنی عادت کو عبادت بنا لیجئے۔

☆ ہر ماں اپنے بچے کو سلاتی ہے۔ اس وقت وہ تھپکیاں دیتی ہے۔ نیک مائیں تو اللہ ہو اللہ ہو کہتی ہیں مگر جن کی طبیعت میں نیکی نہیں وہ بڑی اوٹ پٹانگ باتیں کرتی ہیں۔ یا یہی کہتی رہتی ہوں گی کہ سو جاؤ، سو جاؤ، سو جاؤ۔ حالانکہ عورت اگر تھوڑی سی عقلمندی سے کام لے تو وہ اس وقت کو بھی عبادت بنا سکتی ہے۔ پہلے دور میں جب مائیں اپنے بچوں کو سلاتی تھیں تو عربی زبان میں لوری دیتی تھیں:

حَسْبِیْ رَبِّیْ جَلَّ اللّٰہ

مَا فِیْ قَلْبِیْ غَیْرُ اللّٰہ

یوں بچے کو ترنم کے ساتھ کچھ الفاظ سننے کو مل جاتے تھے، ساتھ ساتھ ماں اسے تھپکی بھی دے رہی ہوتی تھی۔ اصل چیز تو وہی ردھم ہوتا ہے۔ اس لیے بچہ سو جاتا تھا۔ اگر مائیں اس وقت بچے کو کوئی دعائیہ کلمات کہہ دیں تو ایک تو بچے کو ماں کی دعا ملتی رہے گی اور دوسرا ماں کو ثواب بھی ملتا رہے گا۔ چنانچہ جو مستورات عربی زبان جانتی ہیں...... معلمات اور فاضلات...... وہ عربی زبان کے الفاظ بھی کہہ سکتی ہیں۔ مثلاً: اِنَّا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ہم اللہ پر ایمان لے آئے۔

صَدَّقنابِرَسُوْلِ اللّٰہِ ہم نے رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی۔

نَرْجُوْالْجَنَّۃَ نَدْخُلَھَا ہم جنت کی امید رکھتے ہیں کہ ہم اس میں داخل ہوں گے۔

یَوْمَ الْحَشْرِ اِنْ شَآءَ اللّٰہ قیامت کے دن ان شاء اللہ

یَا رَحْمٰن عافِنا اے رحمان! ہمیں معاف کردے۔

وَاعفُ عَنّاَ یاَ اَللّٰہ اے اللہ! ہمیں معافی عطا فرما۔

اب ہے یہ بھی لوری، لیکن تھوڑی سی عقلمندی کا مظاہرہ کرنے سے یہ عبادت بن جائے گی۔ دنیا کی ہر ماں بچے کو سلاتے وقت کچھ نہ کچھ تو بولتی ہی ہے۔تو کیوں نہ ہم اچھے الفاظ بولیں اور اجر وثواب کمائیں۔

اچھا، اگر کوئی یہ کہے کہ ہمیں تو عربی نہیں آتی، تو کوئی بات نہیں، اردو زبان میں ہی لوری دے یں اردو میں لوری کیسے دیں؟ آپ خود الفاظ بنالیں۔ بناسکتی ہیں۔ مثلاً: آپ نے بیٹی کو سلانا ہے تو آپ یہ کہہ سکتی ہیں:

پیاری بیٹی سوئے۔اللہ ہنستا رکھے۔حنانہ کبھی نہ روئے

عزت جنت پائے

بیج ایسا بوئے

خوب نیکی کرکے

سعا دل کو دھوئے

پیاری بیٹی سوئے۔اللہ ہنستا رکھے۔حنانہ کبھی نہ روئے۔

تو عادت، عبادت کیسے بنتی ہے؟ یہ نعمت حسن نیت کی وجہ سے انسان کو ملتی ہے۔

حضرت سلطان باہوؒ کے ہاں نیت کی عظمت:

ہمارے علاقے میں ایک بزرگ گزرے ہیں، سلطان العارفین حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، ان کا کلام بڑا عجیب ہے۔ ان کے پنجابی کے کچھ اشعار ہیں۔ سب کے لیے سمجھنا تو مشکل ہوگا۔ ان کا ترجمہ یہ عاجز ساتھ ساتھ کر دے گا۔ وہ موقع کی مناسبت سے بہت اہم ہیں۔ فرماتے ہیں:

جے نایتاں دھوتیاں رب ملدا تے ملدا کُمیاں مچھیاں نوں

اگر نہانے دھونے سے خدا ملتا تو کچھوؤں اور مچھلیوں کو مل جاتا

جے سر منایاں رب ملدا تے ملدا بھیڈاں سسیاں نوں

اگر سر منڈانے سے رب ملتا تو سسی نسل کی بھیڑوں کو رب مل جاتا

بھیڑ کی ایک ایسی نسل ہوتی ہے جس کے سر پر بال بہت چھوٹے ہوتے ہیں، یہاں اس نسل کا نام لیا۔

جے ذکر کیتیاں رب ملدا تے ملدا کال کڑچھیاں نوں

اگر ذکر کرنے سے رب ملتا تو اس کلچڑی کو مل جاتا

کلچڑی (Grackle) ایک چھوٹا سا پرندہ ہوتا ہے، وہ درخت پر الٹا لٹکتا ہے اور ساری رات آواز نکالتا ہے، یعنی ذکر کرتا ہے۔

جے جتیاں ستیاں رب ملدا تے ملدا دانداں کھسیاں نوں

اگر پاک دامن رہنے سے خدا ملتا تو خصی جانوروں کو رب مل جاتا

اور آخر میں وہ فرماتے ہیں:

جے رب ملدا تے ملدا نیتاں اچھیاں نوں

اگر اللہ ملتا ہے تو وہ اچھی نیت والوں کو ملتا ہے۔

اس لیے ہم اپنی نیت کو اچھا کر لیں۔ ہمیشہ یہ بات دل میں رکھیں کہ ہم کبھی کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کریں گے، کسی کا دل نہیں دکھائیں گے، البتہ ہمارے ساتھ کوئی برا سلوک کرے گا تو ہم اللہ کی رضا کے لیے اس کو معاف کر دیں گے۔ پھر اس کی برکتیں دیکھئے گا۔

دوسری حدیث مبارکہ

لایعنی کاموں سے اجتناب:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے جو پانچ احادیث بتائیں ان میں سے دوسری حدیث مبارکہ سنیے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْکُہٗ مَالَایَعْنِیْہِ انسان کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی کو ترک کر دے۔

لا یعنی فضول کاموں کو کہتے ہیں جن کا آخرت میں کوئی فائدہ ہی نہیں ہوگا۔ آج اگر آپ دیکھیں تو ہمارے نوجوان لایعنی کاموں میں اپنے وقت کو ضائع کرتے پھرتے ہیں۔ ہمیں وقت کی قدر و منزلت نہیں ہے۔ من حیث القوم ہمیں اس عادت کو سنوارنے کی ضرورت ہے۔

آپ ولیمے کا ٹائم تو دن کے ایک بجے کا طے کر لیتے ہیں، لیکن ذہن میں یہ ہوتا ہے کہ لوگ تین بجے تک آجائیں گے۔ پتہ چلا کہ مزاج ہی ایسا بن گیا ہے کہ دو گھنٹے کے فرق کو اتنا محسوس ہی نہیں کرتے۔ ایک کا مطلب تو ایک ہی ہوتا ہے نا۔ حدیث پاک نے ہمیں وقت کی قدر دانی سکھائی ہے کہ ہم فضول کاموں میں اپنی زندگی کے اوقات ضائع نہ کریں۔ ہمارے اکابر وقت کی اس طرح قدر کرتے تھے جس طرح بخیل آدمی اپنے دراہم و دنانیر کی قدر کرتا ہے۔

قلم ٹوٹ جانے پر ذکرِ الٰہی کا ورد:

حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں احادیث لکھتا تھا۔ جب میرا قلم ٹوٹ جاتا تو میں اسے نئے سرے سے بنانے لگتا تھا تو میں فوراً تیسرا کلمہ پڑھنا شروع کر دیتا تھا۔ یوں میرا قلم بنانے کا وقت بھی اللہ کی یاد سے خالی نہیں گزرتا تھا۔

سورج تھام لو، وقت لے لو:

ابن ابوقیس رحمۃ اللہ علیہ حفظِ حدیث میں لگے رہتے تھے اور لوگوں سے گفتگو کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک شخص ان کے پاس آکر کہنے لگا: حضرت! مجھے تھوڑا سا وقت دے دیجیے، فرمانے لگے: اگر تم سورج کو تھام لو، تو جتنی دیر تھامے رکھو گے اتنی دیر میں تجھ سے گفتگو کرتا رہوں گا۔ کیا مطلب؟ کہ میں اپنا وقت معمول کے خلاف خرچ نہیں کرنا چاہتا۔

کھانے کے وقت میں دین کی خدمت:

عبید رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث گزرے ہیں۔ ان کی تیس سال تک یہ عادت رہی کہ وہ حدیثِ پاک بیٹھ کر لکھا کرتے تھے اور لکھتے وقت ان کی بیوی ان کے منہ میں لقمے ڈالتی تھی، تیس سال تک انہوں نے اپنے ہاتھ سے کھانا نہیں کھایا تھا، اللہ اکبر! کھانے کے وقت کو بھی انہوں نے خدمتِ دین میں صرف رکھا۔

خشک ستو پھانکنے کی وجہ:

ایک بزرگ خشک ستو پھانک رہے تھے۔ کسی نے کہا: حضرت! اس میں پانی ملا لیں، گڑ ملا لیں، اس سے مزے دار بن جاتے ہیں۔ اس طرح آپ کو اچھے لگیں گے۔ جواب میں فرمانے لگے: میں نے خشک ستو پھانکنے میں اور تر ستو کھانے میں وقت کا اندازہ لگایا تو پتہ چلا کہ تر ستو کھانے میں زیادہ وقت لگتا ہے، لہٰذا پچھلے بیس سال سے میں خشک ستو پھانک کر گزارہ کر رہا ہوں اور جو وقت بچتا ہے میں اس میں ستر مرتبہ

سبحان اللہ پڑھ لیا کرتا ہوں۔

جودم غافل سودم کافر:

ہمارے مشائخ نے کہا: ''جودم غافل سودم کافر'' جو سانس بھی غفلت میں گزر گیا، یوں سمجھو کہ وہ سانس کفر کی حالت میں گزر گیا۔ وقت کا اتنا خیال۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

''دو نعمتیں ایسی ہیں جن میں انسان دھوکے میں پڑ جاتے ہیں، وہ صحت اور فراغت ہیں''

آج کل نوجوان سے پوچھیں کیا کر رہے ہو؟ تو وہ جواب دیتا ہے کہ میں ٹائم کِل کر رہا ہوں۔ بھئی! تم ٹائم نہیں کِل کر رہے بلکہ اپنے آپ کو کل کر رہے ہو۔ تم اپنی ہی زندگی کو نقصان میں گزار رہے ہو۔

اگر بالفرض ایک آدمی کی عمر ہونی تھی ستر سال، کوئی ولی اسے بتا دے کہ مجھے الہام کے ذریعے پتہ چلا ہے کہ آپ کی زندگی کے تین سال گھٹا دیے گئے ہیں۔ یہ سن کر اسے کتنا افسوس ہوگا، وہ پریشانی کے عالم میں رونا شروع کر دے گا اور چلائے گا کہ جی میری عمر تین سال گھٹا دی گئی ہے۔ جبکہ وہی بندہ فارغ رہ کر بغیر کوئی کام کیے اتنا وقت گزارتا ہے کہ اگر اسے جمع کیا جائے تو وہ زندگی کے دس سال بن جاتے ہیں۔ مگر اس پر اسے کوئی افسوس نہیں ہوتا۔

زندگی کا کیا بھروسہ:

یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث گزرے ہیں۔ ان کے شاگرد فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ ایک محدث محمد بن افضل کے دروازے پر ایک حدیث سننے کے لیے گئے، انہوں نے حدیث سنا دی۔ انہوں نے پوچھا: کیا آپ کے پاس لکھی ہوئی بھی ہے؟ فرمایا: ہاں لکھی ہوئی ہے، لے آتا ہوں۔ تو جب کتاب لینے کے لیے جانے لگے تو یحییٰ بن معین رحمۃ اللہ علیہ نے ان کا کپڑا پکڑ کر کھینچ لیا اور کہنے لگے، حضرت! پہلے مجھے لکھوا دیجیے پھر کتاب لینے جائیے، کیا پتہ کہ آپ کے جانے اور آنے میں میری موت نہ واقع ہو

جائے۔

پیدل چلتے ہوئے مطالعہ کا شغف:

نحو کے ایک بہت بڑے امام تھے۔ان کی عادت تھی کہ راستہ چلتے ہوئے کتاب بھی پڑھتے جاتے تھے۔ اللہ کی شان، کہ ان کی وفات بھی اسی حالت میں ہوئی کہ کتاب پڑھتے ہوئے پیدل چل رہے تھے، سامنے سے ایک سواری دوڑتے ہوئے آرہی تھی،اس نے ٹکر ماری اوراسی جگہ پر گر کرانہوں نے اپنی جان جانِ آفرین کے سپرد کردی۔

علامہ ابنِ اثیرؒ کا معمول:

علامہ ابنِ اثیر رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ روٹیاں پکوا کر رکھ لیتے تھے اور کئی دنوں تک وہی روٹیاں چلتی تھیں۔ جب وہ روٹیاں ایک دن کے بعد خشک ہوجاتی تھیں تو وہ ان روٹیوں کو پانی میں بھگو دیتے تھے۔اس طرح وہ نرم ہوجاتی تھیں اور پھران کو کھاتے تھے۔کسی نے پوچھا: جی آپ نے روٹیاں کھانے کا یہ طریقہ کیسے نکالا؟ فرمانے لگے کہ عام روٹی کھانے میں زیادہ دیر تک چبانا پڑتا ہے اور گیلی روٹی کو کم چبانا پڑتا ہے۔میں کم چبا کر وقت بچاتا ہوں،اوراس وقت میں حدیث کی کتابت کرلیتا ہوں۔

بیت الخلا میں علمی مشغولیت:

ابن تیمہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ حال تھا کہ جب وہ بیت الخلا جانے لگتے تو اپنے شاگردوں سے کہتے کہ تم ذرا اونچی آواز سے تکرار کرو۔وہ کہتے ،حضرت! کیوں؟ فرماتے تھے کہ میں بیت الخلا میں تو جا کر زبان سے کچھ پڑھ نہیں سکتا،تمہاری آواز آتی رہے گی، میں ذہنی طور پر علمی مسئلہ کو سوچنے میں مشغول رہوں گا۔انہوں نے بیت الخلاء کے وقت کو بھی تحصیل علم کا وقت بنالیا۔

کنویں کی دیوار پر کتابتِ علم:

ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک حاسد حکومت میں آ گیا۔اس نے حضرت کو قید کروا دیا، پھر انہیں ایک کنویں میں بند کر دیا گیا۔وہاں سے وہ نکل نہیں سکتے تھے۔حضرت اپنے شاگردوں کے ذریعے وہاں کاغذ منگوا لیتے اور کتاب لکھتے رہتے۔جب آپ کی نئی کتاب تیار ہوگئی تو اس حاسد کو پتہ چل گیا۔اس نے کہا کہ اچھا! کنویں کے اندر بند ہیں اور پھر بھی کتاب لکھ چکے ہیں۔چنانچہ اس نے کاغذ، قلم اور دوات کا پہنچانا بھی بند کروا دیا۔اسی حالت میں ابن تیمیہؒ کی وفات ہوگئی۔

وفات کے بعد ان کی ایک اور نئی کتاب بن گئی۔وہ حاسد بڑا حیران ہوا کہ اب کتاب کیسے بنی؟ پتہ چلا کہ جب اس نے کاغذ، قلم اور دوات کا پہنچانا بند کر دیا تھا اس وقت انہوں نے منت سماجت کر کے پولیس والے نگران سے کچھ کوئلے منگوا لیے تھے اور کوئلے کے ذریعے انہوں نے کنویں کی دیوار پر کتاب لکھ دی اللہ اکبر، تاریخِ انسانیت علم کی طلب کے ایسے واقعات پیش نہیں کر سکتی جو ہمارے اکابر کو پیش آئے۔

امام محمدؒ کی تدریسی مصروفیات:

امام محمدؒ ایک جگہ پر درس دیتے تھے۔دوسرے بستی والے آئے اور کہا: حضرت! ہمارے ہاں بھی آکر درس دیں۔حضرت نے فرمایا کہ بھئی! میرے پاس اتنا کم وقت ہے کہ میں جاؤں گا اور واپس آجاؤں گا۔بس اتنے میں ہی وقت ختم ہو جائے گا۔انہوں نے کہا کہ جی ہم سواری کا انتظام کر لیتے ہیں۔آپ سواری پر سوار ہو کر تیزی سے آیا کریں اور اس وقت میں درس دے کر واپس چلے جایا کریں، اس طرح آپ کے معمولات میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ان کا اخلاص دیکھ کر امام محمدؒ نے ان کی تجویز قبول کر لی۔اب ایک جگہ بھی درس دیتے اور پھر سواری پر بیٹھ کر تیزی سے دوسرے گاؤں جاتے اور وہاں بھی درس دے کر تیزی سے واپس آجاتے۔

دوڑ کر تحصیلِ علم کی مثال:

اس دوران حضرت کا ایک شاگرد آ گیا۔عرض کیا کہ حضرت ! مجھے آپ سے ایک کتاب پڑھنی ہے۔فرمایا: بھئی ! میرے پاس تو وقت ہی نہیں ہے۔اِدھر درس دیتا ہوں یا اُدھر درس دیتا ہوں اس کے علاوہ میرے پاس وقت ہی نہیں، میں آپ کو کیسے پڑھاؤں؟ اس نے کہا: جی میں نے یہ کتاب پڑھنی تو آپ سے ہی ہے۔حضرت نے فرمایا: بھئی ! میرے پاس فرصت ہی نہیں تم کیسے پڑھو گے؟ شاگرد نے کہا کہ حضرت ! میرے پاس ایک تجویز ہے۔پوچھا: کیا تجویز ہے؟ کہنے لگا کہ جب آپ سواری پر سوار ہو کر ایک بستی سے دوسری بستی کی طرف چلیں تو میں سواری کے ساتھ ساتھ دوڑتا رہوں گا اور اس دوران آپ تقریر کر دینا، میں آپ سے اس طرح سبق پڑھ لیا کروں گا۔اللہ اکبر کبیرا، حیران ہوتے ہیں کہ یا اللہ ! ہمارے اکابر کو علم کا اتنا شوق تھا!!! کیا آپ تصور کر سکتے ہیں کہ استاد سواری پر سوار ہو کر جا رہا ہے اور شاگرد دوڑ بھی رہا ہے اور ساتھ اپنا سبق بھی پڑھ رہا ہے۔

بھکاری کے روپ میں علم کا حصول:

ابن مخلد رحمۃ اللہ علیہ اندلس میں ایک محدث گزرے ہیں۔وہ سفر کر کے بغداد پہنچے۔امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے حدیث پڑھنے کے لیے انہوں نے یہ سفر کیا۔اللہ کی شان کہ وقت کے حاکم نے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو گھر میں نظر بند کر دیا تھا۔نہ کوئی ان سے مل سکتا تھا اور نہ ہی وہ کسی سے مل سکتے تھے۔ابنِ مخلدؒ بہت پریشان ہوئے۔

ان کے ذہن میں ایک تجویز آئی۔ہوٹل میں جو کمرہ کرائے پر لیا تھا وہاں سے جب نکلے تو سر پر بھی کپڑا باندھا ہوا تھا، ٹانگ پر بھی ایک جگہ کپڑا باندھا ہوا تھا، پھٹے ہوئے کپڑے تھے، ایک ہاتھ میں لاٹھی تھی اور دوسرے ہاتھ میں کشکول پکڑ لیا، جیسے سوال کرنے والا فقیر ہوتا ہے۔باہر نکل کر انہوں نے مانگنا شروع کر

دیا۔اس زمانے میں فقیر جب سوال کرتے تھے تو یوں کہا کرتے تھے:

اَجْرُ کُمْ عَلَی اللّٰہِ تمہارا اجر اللہ کے ذمے ہے۔

یہ الفاظ سن کر جنہوں نے دینا ہوتا تھا وہ دے دیتے تھے۔ چنانچہ یہ صدا لگاتے ہوئے گلیوں میں جا رہے تھے۔لوگوں نے سمجھا کہ یہ فقیر ہے۔کسی نے کچھ دے دیا اور کسی نے نہ دیا۔

اسی طرح صدا لگاتے لگاتے وہ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر پہنچے۔انہوں نے صدا لگائی۔امام صاحب نے دروازہ کھولا کہ میں پیسے دوں۔وہ کہنے لگے کہ حضرت! میں درہم و دینار کا طالب نہیں ہوں، میں حدیث کا طالب ہوں، آپ سے حدیث پڑھنے کے لئے آیا ہوں۔انہوں نے فرمایا کہ میں تو نہیں پڑھا سکتا، آپ سے بات نہیں کر سکتا، حکومت مجھے بہت زیادہ سزا دے گی۔کہنے لگے کہ حضرت! میں اسی طرح فقیر اور بھکاری کے بھیس میں روزانہ آپ کے دروازے پر آیا کروں گا۔آپ دروازہ کھول دینا، جتنی دیر پیسے دینے میں لگتی ہے، اتنی دیر حدیث سنانے میں لگا دینا اور میں حدیث زبانی یاد کر لیا کروں گا۔وہ ایک سال تک امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے دروازے پر آتے رہے، صدا لگاتے رہے اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ ان کو حدیث پڑھاتے رہے اور وہ حدیث سن کر یاد کرتے رہے جب قیامت کے دن یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور کہہ رہے ہوں گے: اے اللہ! ہم نے تیرے دین کو ایسے ایسے حاصل کیا، تو ہماری وہاں کیا حیثیت ہوگی؟ ہم اپنے اوقات کا خیال رکھیں۔ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں اور ٹھنڈے ٹھنڈے پنکھوں کے نیچے صاف ستھری جگہوں پر بیٹھ کر آج کے طلبا اپنے اساتذہ سے علم حاصل نہیں کر پاتے۔یاد رکھیں وقت ہمارے پاس بہت بڑی نعمت ہے۔

اَلْوَقْتُ مِنْ ذَھَبٍ وَّ فِضَّۃٍ وقت سونے اور چاندی کی مانند ہے۔

بیس سال تک فرصت نہ ملی:

حضرت مولانا یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں ایک مرتبہ خیال آیا کہ اگر کبھی فرصت ملی تو سردیوں کی دھوپ میں بیٹھ کر گنا چوسوں گا۔ سردیوں کی دھوپ میں بیٹھ کر گنّا چوسنے کا اپنا ایک مزہ ہے۔ حضرت کی زندگی کے بیس سال گزر گئے مگر ان کو دھوپ میں بیٹھ کر گنا چوسنے کی فرصت نہ مل سکی۔ اتنی مصروف زندگی تھی۔

تیسری حدیثِ مبارکہ

دوسروں کی پسند کا بھی خیال رکھیں:

اب امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی بیان کردہ تیسری حدیثِ مبارکہ سنئے۔ نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ارشاد فرمایا:

لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ تم میں سے کوئی بھی اس وقت تک ایمان والا نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے لئے وہی پسند کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

ہم چاہتے ہیں کہ اگر ہم سے کوئی غلطی ہو جائے تو ہمیں معاف کر دیا جائے، ہم بھی لوگوں کی غلطیوں کو معاف کر دیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ ہم سے اگر کوتاہی ہو تو لوگ پردہ ڈال دیا کریں، ہم بھی لوگوں کے عیبوں پر پردہ ڈالیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ لوگ ہم سے حسنِ ظن رکھیں، ہم بھی دوسروں سے اچھا گمان رکھیں۔ نبیؐ نے کیا ہی خوبصورت بات بتا دی۔ اگر کسی کی شریعت کے مسئلے کا پتہ نہ بھی ہو اور وہ اس اصول پر سوچ لے گا کہ میں تو دوسروں کے لیے بھی وہی چیز پسند کروں گا جو اپنے لیے پسند کرتا ہوں تو اس کی سوچ شریعت کے مطابق ہوگی۔

آج ہم تو یہ چاہتے ہیں کہ بہت اچھی بیوی ہو، وفادار ہو، خدمت گزار ہو، نیکوکار ہو۔ تو پھر ہمیں بھی تو ایسا

ہی خاوند بننا چاہیے نا۔کیا ہم ایسے وفادار بنتے ہیں۔بھئی! جب اپنے لیے یہ پسند کرتے ہیں تو دوسروں کے لیے بھی تو یہی پسند کریں نا۔ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ہمیں دھوکا نہ دے،ہم دوسروں کو کیوں دھوکا دیتے ہیں؟ ہم چاہتے ہیں کہ کوئی ہماری عزت کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے تو پھر ہم کیوں للچائی ہوئی نظریں دوسروں کی عزتوں پر ڈالتے پھرتے ہیں۔جو اپنے لیے پسند کرتے ہیں وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے بھی پسند کریں،ہم اپنے اندر احساس پیدا کریں۔کیونکہ بے حسی کام خراب کر دیتی ہے اور احساس سے معاملات سنور جاتے ہیں۔

ایک دلچسپ صلح:

قاضی موسیٰ بن یسار رحمۃ اللہ علیہ کی عدالت میں ایک میاں بیوی کا جھگڑا پیش ہوا جھگڑا کیا تھا؟ میاں بیوی ایک دوسرے سے ذرا خفا تھے۔بیوی چاہتی تھی کہ یہ مجھے طلاق دے دے اور میرا مہر مجھے دے دے۔مہر کی رقم بہت زیادہ تھی اس لیے خاوند کہتا تھا کہ میں طلاق تو دے سکتا ہوں مگر مہر نہیں دوں گا۔

مقدمے کے گواہوں میں سے کسی نے کہا: جی مجھے کیا پتہ کہ پردے میں لپٹی کون عورت ہے؟ اگر یہ اپنا چہرہ کھول دے تو پہچان کر تصدیق کر سکتا ہوں کہ یہ اس کی بیوی ہے۔وہ کوئی قریبی غیر محرم بندہ ہوگا۔تو قاضی نے کہا: ہاں ایسے موقع پر گواہ اگر کہیں تو شرعاً وہ دیکھ سکتے ہیں اِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا (النور:31) کا یہی معنی ہے کہ ضرورت کے وقت ایسا کیا جا سکتا ہے۔اب خاوند نہیں چاہتا تھا کہ میری بیوی کسی غیر محرم کے سامنے چہرہ کھولے۔قاضی نے تو کہہ دیا کہ اگر گواہ مطالبہ کریں گے تو اس کو اپنی شناخت ثابت کرنا پڑے گی۔خاوند نے جیسے ہی بات سنی، وہ کہنے لگا: قاضی صاحب! آپ میری بیوی کو چہرہ کھولنے کے لیے مت کہیں، میں اس کا پورا مہر پانچ سو دینار دینے کے لیے تیار ہوں۔جب خاوند نے یہ بات کہی کہ

میری غیرت گوارا نہیں کرتی کہ یہ غیر کے سامنے چہرہ کھولے، میں پانچ سو دینار دے کر اس کی بات مان لیتا ہوں، تو بیوی کے دل میں بھی یہ احساس پیدا ہوا کہ جب میرا خاوند میرے بارے میں اتنا غیرت مند ہے

تو پھر میں بھی اس ارادے سے باز آجاؤں۔ چنانچہ وہ کہنے لگی، قاضی صاحب! نہ میں خاوند سے طلاق چاہتی ہوں اور نہ ہی حق مہر مانگتی ہوں۔ چنانچہ قاضی صاحب نے دونوں کو ہنسی خوشی واپس گھر بھیج دیا۔

چوتھی حدیثِ مبارکہ:

امام اعظمؒ کی وصیتوں میں چوتھی حدیثِ مبارکہ یہ تھی۔

اَلْحَلَالُ بَیِّنٌ وَالْحَرَامُ بَیِّنٌ وَ بَیْنَھُمَا مُشْتَبِھَاتٌ حلال بھی واضح اور حرام بھی واضح، ان کے درمیان میں مشتبہ چیزیں ہوتی ہیں۔

جو بندہ ان حرام اور مشتبہ چیزوں کو چھوڑ دے گا وہی اللہ کا مقرب بنے گا۔ جب تک ہم حرام اور مشتبہ چیزوں کو نہیں چھوڑیں گے، تقویٰ کا مقام نہیں پاسکیں گے۔ ہمارے اکابر اس معاملے میں بہت احتیاط کیا کرتے تھے۔ اس کی بھی چند مثالیں سن لیجئے۔

مولانا محمد عبدالمالک صدیقیؒ کا تقویٰ:

امام العلما والصلحا حضرت خواجہ محمد عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ کا تقویٰ بڑا معروف تھا۔ آپ سردیوں میں بھی اور گرمیوں میں بھی ہاتھ میں چھتری رکھتے تھے۔ گرمیوں میں تو چھتری ہاتھ میں رکھنا سمجھ میں آتا ہے، دھوپ سے بچتے ہوں گے، لیکن سردیوں میں چھتری رکھنا تو سمجھ میں نہیں آتا۔ چونکہ حضرت کی جماعت میں علما کی کثرت تھی اس لیے ایک مرتبہ ایک عالم نے پوچھ لیا کہ حضرت! سردیوں میں چھتری

ہاتھ میں رکھنے کی کیا حکمت ہے؟ جب انہوں نے اصرار کیا، تب حضرت نے راز کھولا۔فرمایا کہ عام لوگ تو سردی گرمی سے بچنے کے لیے رکھتے ہیں، میری ایک اور بھی نیت ہوتی ہے۔انہوں نے پوچھا کہ کونسی؟ فرمایا کہ راستہ چلتے ہوئے جب دیکھتا ہوں کہ دائیں طرف سے غیر محرم آرہی ہے تو میں اس طرف چھتری کر کے اپنا چہرہ چھپا لیتا ہوں اور جب بائیں طرف سے غیر محرم آرہی ہوتی ہے تو چھتری سے بائیں طرف آڑ کر لیتا ہوں، میں غیر محرم کے کپڑے کو بھی نہیں دیکھتا، تا کہ میرا اس کی طرف دھیان ہی نہ جائے۔ یہ ہے تقویٰ کہ غیر محرم کا چہرہ تو کیا دیکھنا، اس کے کپڑے کو بھی نہ دیکھا جائے۔

ہمارے حضرت مرشد عالم رحمۃ اللہ علیہ کے بڑے صاحب زادے حضرت مولانا عبدالرحمٰن قاسمی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ ابا جی (حضرت مرشد عالمؒ) بیرون ملک میں تشریف لے گئے۔ انہی دنوں میں حضرت مولانا عبدالمالک صدیقی رحمۃ اللہ علیہ اسلام آباد سے واپسی پر چکوال تشریف لے آئے۔ میں گھر میں موجود تھا۔ حضرتؒ کو بٹھایا، پانی وغیرہ پلایا اور پھر امی سے کہا کہ کھانا وغیرہ بنائیں۔

جب کھانا پک کر تیار ہو گیا اور میں نے حضرت کے سامنے دسترخوان لگایا تو حضرت کھانے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھا رہے تھے۔ میں نے کہا: حضرت! کھائیں۔ حضرت نے میرے چہرے کی طرف دیکھ کر حیران ہو کر کہا: قاسمی! تمہارے گھر میں سور کہاں سے آگیا؟ یہ سن کر میں گھبرا گیا اور میں دوڑتے ہوئے اپنی والدہ صاحبہ کے پاس گیا اور کہا کہ حضرت تو کھانا نہیں کھا رہے اور فرما رہے ہیں کہ تمہارے گھر میں سور کہاں سے آگیا۔

فرماتے ہیں کہ جب والدہ صاحبہ نے سنا تو اس نے بھی گھبرا کر ٹھنڈی سانس لی اور کہنے لگی: واقعی مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔ غلطی یہ ہوئی ہے کہ ایک ہمسائی عورت بڑے عرصے سے پیچھے پڑی ہوئی تھی کہ جب آپ کے گھر میں پیر صاحب آئیں گے تو ان کے لیے ایک وقت کا کھانا میں بنا دوں گی۔ پڑوسن کی

رعایت کرتے ہوئے میں نے ہاں کر دی تھی۔ چنانچہ یہ آج اس کے گھر کا بنا ہوا کھانا تھا جو حضرت کو پیش کیا گیا، یہ ہمارے گھر کا بنا ہوا نہیں تھا۔ اس کے بعد والدہ صاحبہ نے اپنے گھر میں کھانا تیار کیا اور حضرت صدیقی رحمۃ اللہ علیہ نے کھایا۔ جب بعد میں تحقیق کی گئی تو پتہ چلا کہ پڑوسن کا خاوند ایک حلال اور جائز نوکری کرتا تھا لیکن بینک کے سیونگ اکاؤنٹ میں پیسے رکھے ہوئے تھے اور وہاں سے سود کا پیسہ اس کے پیسوں میں مل جاتا تھا، اس کا اثر پورے پیسوں پر پڑا اور حضرت نے اس کا اثر محسوس کر کے پوچھا: قاسمی! تمہارے گھر میں سور کہاں سے آ گیا۔

بشر حافیؒ کی ہمشیرہ کا تقویٰ:

پہلے زمانے میں صرف مرد ہی تقویٰ اختیار نہیں کرتے تھے بلکہ اس زمانے کی عورتیں بھی بہت زیادہ پارسا ہوتی تھیں۔ عورتوں کے تقویٰ کا بھی ایک واقعہ سن لیجیے۔

امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے کا نام عبداللہ تھا۔ یہ عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں اپنے والدِ گرامی کے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ اس دوران ایک بوڑھی عورت آئی اور اس نے میرے والد صاحب سے ایک مسئلہ پوچھا: ذرا توجہ سے سنیے گا! یہ مسئلہ پوچھا کہ میں روئی کاتتی ہوں۔ میں ایک رات چھت کے اوپر بیٹھ کر روئی کات رہی تھی۔ حکومتِ وقت کی پولیس کا داروغہ گلی میں سے گزرا، اس کے ساتھ روشنی کا بڑا انتظام تھا، وہ وہاں کسی سے بات کرنے کے لیے رک گیا، جب روشنی بہت زیادہ ہوگئی اور مجھے روئی اچھی طرح نظر آنے لگی تو میں نے سوچا کہ میں ذرا جلدی کات لوں۔ چنانچہ میں نے جلدی جلدی روئی کاتی۔ جب وہ داروغہ ابنِ طاہر چلا گیا تو بعد میں مجھے خیال آیا کہ ان کا پیسہ تو مشتبہ قسم کا ہوتا ہے اور میں نے اس کی روشنی سے فائدہ اٹھایا ہے، اب یہ روئی میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: تم اس ساری روئی کو صدقہ کر دو، اللہ تمہیں اور رزق عطا فرما دیں گے۔ حضرت عبداللہ

رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ میں یہ سن کر بڑا حیران ہوا کہ یہ کیا جواب ہوا۔ جواب تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ جتنی مقدار اس روشنی میں کاتی اتنا صدقہ کرو، لیکن ابا جی نے فرمایا کہ ساری روئی صدقہ کر دو۔ اس کے بعد وہ عورت چلی گئی۔

کہتے ہیں کہ دو چار دن بعد پھر وہی بوڑھی عورت آئی اور کہا: جی میں نے امام صاحب سے مسئلہ پوچھنا ہے۔ چنانچہ وہ امام صاحب کے پاس جا کر مسئلہ پوچھنے لگی کہ میں رات کو چراغ کی روشنی میں روئی کاتتی ہوں تو کبھی کبھی چراغ کا تیل ختم ہو جاتا ہے، تو چاند کی روشنی میں کاتنے بیٹھ جاتی ہوں۔ چراغ کی روشنی میں روئی صاف نظر آتی ہے اور چاند کی روشنی میں صاف نظر نہیں آتی۔ تو اب بتائیں کہ جب میں گاہک کو روئی بیچوں، تو کیا مجھے بتانا پڑے گا کہ یہ چراغ کی روشنی میں کاتی گئی ہے یا چاند کی روشنی میں کاتی گئی ہے؟ امام صاحب نے فرمایا، ہاں تمہیں بتانا پڑے گا۔ اس کے بعد وہ دعا دے کر چلی گئی۔

فرماتے ہیں کہ جب وہ چلی گئی تو امام صاحب بھی اس کا تقویٰ دیکھ کر حیران ہوئے اور مجھے فرمایا کہ اس عورت کے پیچھے جاؤ اور دیکھو تو سہی کہ یہ کس گھر کی عورت ہے۔ حضرت عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب میں پیچھے گیا تو وہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر میں داخل ہوئی، پتہ چلا کہ یہ بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کی بہن تھی جس کو اللہ نے اتنی تقویٰ بھری زندگی عطا فرمائی ہوئی تھی...... اس وقت کی عورتیں بھی حرام اور مشتبہ چیزوں سے اتنا بچتی تھیں۔ قیامت کے دن تو یہ عورتیں بھی ہم سے آگے بڑھ جائیں گی۔

پانچویں حدیث مبارکہ:

پانچویں حدیث ان سب احادیث کا لب لباب ہے۔

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے

دوسرے مسلمان سلامتی میں ہوں۔

مسلمان کون ہے؟

اس حدیث مبارکہ میں مسلمان کی تعریف کی گئی ہے کہ مسلمان کون ہوتا ہے؟ یہ ایک بنیاد ہے اگر ہم اس کو پورا کر رہے ہیں تو صحیح معنوں میں مسلمان ہیں اور اگر پورا نہیں کر رہے تو ہماری مسلمانی ہی ادھوری ہے۔ یہ مسلمان ہونا کوئی چھوٹی موٹی بات نہیں ہے۔ کہنے والے نے کہا:

چوں می گویم مسلمانم بلرزم که دانم مشکلات لا الہ را

جب میں اپنے آپ کو کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو میں کانپ جاتا ہوں اس لیے کہ میں جانتا ہوں کہ مسلمان کون ہوتا ہے۔

تو نبی علیہ السّلام نے بہت سادہ لفظوں میں بتا دیا کہ مسلمان کون ہوتا ہے۔ یعنی مسلمان وہ ہوتا ہے جو نہ تو کسی کو زبان سے تکلیف پہنچاتا ہے اور نہ ہی ہاتھ سے۔

عام طور پر تکلیف تو ہاتھ سے پہنچائی جاتی ہے لیکن یہاں ید (ہاتھ) کے ساتھ لسان (زبان) کا بھی تذکرہ ہے۔ اس لیے کہ عام طور پر انسان اپنے قول اور فعل سے دوسرے کو تکلیف پہنچاتا ہے۔ قول زبان سے صادر ہوتے ہیں اور اکثر فعل ہاتھوں سے صادر ہوتے ہیں اور باقی اعضا ان کے ضمن میں آجاتے ہیں۔

زبان ہاتھوں پر مقدم کیوں؟

اور پھر ان دونوں میں سے بھی زبان کا تذکرہ پہلے کیا اس کی کچھ وجوہات ہیں۔ مثال کے طور پر:

☆ انسان ہاتھوں سے جو تکلیف پہنچاتا ہے تو اس کے مواقع بہت کم آتے ہیں۔ انسان چوبیس گھنٹے تو دوسرے کا گریبان پکڑ کر نہیں کھڑا ہوتا۔ لیکن زبان سے دوسرے کو تکلیف پہنچانے کے مواقع بہت زیادہ

ہیں۔ جب چاہا زبان سے ایک فقرہ بول دیا اور یہ دوسرے کے دل میں جا کر ایسے چبھا کہ اس کو چیر کر رکھ دیا۔

☆ پھر غور کیجیے! انسان دن میں کسی دوسرے کو تکلیف پہنچائے گا لیکن رات کو اپنے گھر میں ہوگا، چنانچہ لوگ امن میں ہوں گے۔ مگر زبان یہ وہ تلوار ہے جو دن میں بھی چلتی ہے رات میں بھی چلتی ہے، اپنے گھر میں بیٹھ کر بھی چلتی ہے اور انسان اپنی زبان سے ایسی باتیں کرتا ہے کہ دوسرے کا دل دکھاتا ہے۔

☆ زبان ان رشتوں کو بھی کاٹ دیتی ہے جو رشتے انسان تلوار کے ذریعے سے بھی نہیں کاٹ سکتا۔ غصہ آیا دو بھائیوں نے بولنا بند کر دیا، اب یہ بھائیوں کا رشتہ ایسا تھا کہ یہ تلوار اور قینچی سے کٹ نہیں سکتا تھا مگر زبان کے دو بول بس ایک دوسرے سے بول چال ختم کر دیتے ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ زبان کا نقصان ہاتھ کی نسبت بہت زیادہ ہے۔

☆ پھر ہاتھ سے نقصان پہنچانے میں مشقّت لگتی ہے لیکن زبان سے تکلیف پہنچانے میں کوئی مشقّت نہیں لگتی۔ ایک بچہ بھی نقصان پہنچا سکتا ہے، عورت بھی نقصان پہنچا سکتی ہے۔ ہاتھ سے تو نقصان تب پہنچائے گا جب دوسرے سے زیادہ طاقت ور ہوگا اور اگر اگلا طاقتور ہوا تو الٹا دو اپنے منہ پر لگ جائیں گی۔ لیکن زبان سے انسان جس کو چاہے تکلیف پہنچا سکتا ہے۔

☆ ہاتھ سے نقصان پہنچانے کے لیے تو دوسرے بندے کا سامنے ہونا ضروری ہے۔ زبان سے نقصان پہنچانے کے لیے سامنے ہونا کوئی ضروری نہیں، غائب کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے۔ بلکہ جو گزر چکے ہوں کو بھی نقصان پہنچا سکتا ہے چنانچہ انسان ان کی غیبت کرتا ہے، جو پہلے گزر چکے، جب کہ ہاتھ سے انسان ان کو کوئی دکھ نہیں پہنچا سکتا۔

☆ ہاتھ سے تو انسان ایک فرد کو تکلیف پہنچا دے گا جب کہ زبان سے ایک وقت میں پورے قبیلے بلکہ

پوری قوم کو دکھ پہنچا دے گا۔

اس لیے نبی علیہ السّلام نے ہاتھ پر زبان کو مقدم فرمایا اور فرمایا مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَ يَدِهٖ جس کی زبان اور ہاتھوں سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں۔

حق تلفی سے بچیں:

تو ہمیں یہ چاہیے کہ اپنے دوسروں کو ایذا سے بچائیں اور ان کی حق تلفی نہ کریں۔ نہ زبان سے کسی کو تکلیف پہنچائیں نہ افعال سے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارا دین ہمیں مکارم اخلاق کی تعلیم دیتا ہے کہ ہم دوسروں کے ساتھ اتنے اچھے اخلاق سے زندگی گزاریں کہ کسی کو معمولی سی بھی تکلیف نہ ہو۔ حتیٰ کہ کسی کی دلآزاری بھی نہ ہو۔

پانچ حدیثیں شریعت کا نچوڑ کیسے؟

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ یہ پانچ احادیث پوری شریعت کا نچوڑ ہیں اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ پانچ احادیث مبارکہ پوری شریعت کا نچوڑ کیسے ہیں؟ ذرا غور کیجئے۔

پہلی حدیثِ مبارکہ، تصحیح اعمال کے بارے میں ہے۔

دوسری حدیثِ مبارکہ، تصحیحِ اوقات کے بارے میں ہے۔

تیسری حدیثِ مبارکہ، حقوق العباد کے بارے میں ہے۔

اور چوتھی حدیثِ مبارکہ، حقوق اللہ کے بارے میں ہے۔

اور پانچویں حدیثِ مبارکہ، حقوق مسلم کے بارے میں ہے۔

جب اعمال کی تصحیح بھی ہو جائے، اوقات کی تصحیح بھی ہو جائے، حقوق العباد بھی پورے کر لئے جائیں اور

اللہ کے حقوق بھی پورے کر لیے جائیں تو پورے دین پر تو عمل ہو جاتا ہے۔اس لیے امامِ اعظم رحمة الله علیه نے ان پانچ احادیث کو دین کا نچوڑ فرمایا ہے۔ان کی یہ بات سو فیصد پکی اور سچی بات ہے۔

انسان کی برائی کی پہچان:

جب ہم غفلت کی زندگی گزارتے ہیں اور معاملات میں کوتاہی کرتے ہیں تو اس وقت ہم بالکل بے سینگ کے بکرے نظر آتے ہیں، جو قریب آتا ہے اس کو ٹکر لگا دیتے ہیں...... ہر طرف تنقیدی نظر...... ہر ایک کے عیب ٹٹولنا...... اپنی خوبیاں نظر میں اور لوگوں کے عیب نظر میں...... دوسروں کے حقوق کی رعایت نہ کرنا اور اپنے آپ کو اللہ کا بڑا مقرب سمجھنا...... یہی تو انسان کی برائی کی پہچان ہے۔

مقامِ ولایت میں رکاوٹ:

ابراہیم ادھم رحمة الله علیه فرماتے ہیں کہ میں ایک رات مسجد میں گیا۔ وہاں عبادت کرتا رہا۔عبادت کرتے کرتے مجھے نیند آ گئی۔ میرے پاس بستر نہیں تھا۔ چنانچہ میں مسجد کی صف کو اپنے اوپر لپیٹ کر سو گیا۔میں مسجد میں سویا ہوا تھا اور کسی دوسرے کو پتہ بھی نہیں تھا۔

کہتے ہیں کہ کچھ اہل اللہ مسجد میں آئے اور انہوں نے آپس میں گفتگو کرنا شروع کر دی۔ان میں سے ایک نے کہا: یہاں کوئی غیر محسوس ہوتا ہے۔ان میں سے بڑے نے کہا: ہاں یہ ادھم کا بچہ سو رہا ہے اور کہتا ہے کہ مجھے ولایت مل جائے، اسے ولایت کیسے مل سکتی ہے؟ اس نے تو فلاں بندے کی کھجور بغیر اجازت کے کھائی ہوئی ہے۔ کہتے ہیں کہ میں اس وقت بالکل سن ہو کر پڑا رہا۔

جب وہ اپنی مجلس کر کے چلے گئے تو اس وقت مجھے خیال آیا کہ ہاں میں نے کل کھجور خریدی تھی اور ایک کھجور نیچے گر گئی تھی، میں نے گمان کیا کہ یہ میرے حصے کی کھجور گری ہے، اس لیے میں نے اٹھا کر وہ منہ میں ڈال لی تھی، وہ میری کھجور نہیں تھی، بلکہ اس دکاندار کی تھی اور میں نے بغیر اجازت کے کھا لی

تھی۔فرماتے ہیں کہ اگلے دن میں نے جا کر اس دکاندار سے بلا اجازت کھجور کھانے کی معافی مانگی۔جیسے ہی اس بندے نے مجھے معاف کیا،اسی وقت اللہ نے مجھے ابدال کا مقام عطا فرما دیا۔

اگر پکڑ ہو گئی تو،الامان والحفیظ:

ہماری حالت کیا ہے؟،نہ حلال کی فکر نہ حرام کی پرواہ

اوپر سے تسبیح،اندر سے میاں کسبی۔

اوپر سے لا الہ،اندر سے کالی بلا۔

قیامت کے دن اگر حقوق العباد دینے پڑ گئے تو ہمارا کیا بنے گا؟اس لیے صحیح صوفی وہ ہے جو ایسی زندگی گزارے کہ قیامت کے دن اس کا گریبان پکڑنے والا کوئی نہ ہو۔اور اگر کوئی گریبان پکڑنے والا کھڑا ہو گیا تو......الامان والحفیظ......قیامت کے دن لوگ اللہ کے سامنے کیسے پیش ہوں گے؟

فُرَادٰی كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ ○ (الانعام:94) اکیلے اکیلے جیسا کہ ہم نے تم کو پیدا کیا تھا پہلی مرتبہ۔

ایک ایک کر کے......جیسے ایئر پورٹ پر مشین میں سے سکین ہو کر جاتے ہیں اسی طرح اللہ کے سامنے سے گزریں گے اور فرشتے ان کے دلوں کی سکیننگ کریں گے۔اس جگہ پر جب کچھ بندے آگے جائیں گے تو کہا جائے گا:

وَ قِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ○ (الصفت:24) انہیں روک لیجیے،ہم نے ان کا ٹرائل کرنا ہے۔

لوگوں پر الزام لگاتا تھا۔

ناحق بہتان لگاتا تھا۔

بیوی کا دل دکھاتا تھا۔

اللہ کے بندوں کے لئے وبالِ جان بنا ہوا تھا۔

وَقِفُوْهُمْ (الصفت: 24) اس کو بھی روک لیجیے۔اس نے بھی

شکل دین داروں والی بنائی ہوئی تھی،

لوگوں کو دھوکے دیتا تھا۔

بلا اجازت لوگوں کی چیزیں استعمال کرلیا کرتا تھا۔

وَقِفُوْهُمْ (الصفت: 24) اس کو بھی روک لیجیے کہ

اس کی شہوت بھری نظر غیر پر پڑا کرتی تھی۔ یہ میری محبّتوں کے دعوے کرتا تھا اور غیر کی ہوس اس کے دل میں بھری ہوئی تھی۔

اس کو روک لیجیے، اس کا ہم نے حساب لینا ہے۔

اگر قیامت کے دن ہمیں کھڑا کرلیا گیا تو ہمارا کیا بنے گا!!!۔آج وقت ہے، اللہ رب العزت سے اپنے تمام گناہوں کی معافی مانگیں اور آئندہ نیکوکاری اور پرہیزگاری کی زندگی گزارنے کا دل میں سچا اور پکا عہد کریں۔اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے مقرب بندوں میں شامل فرمادے(آمین ثم آمین)

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ